پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک
وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی
بہاولپور

اسلام کا تصور رحمت

اسلام کے تصور رحمت پر گفتگو کرنے سے پیشتر یہ مناسب ہوگا کہ تعارف کے طور پر رحمت کی لغوی تشریح کر دی جائے۔

رحمت لغت میں تعطف کو کہتے ہیں ، ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

الرحمۃ : الرقۃ و التعطف و المرحمۃ۔
و الرحمۃ : المغفرۃ۔ قولہ تعالی فی وصف القران "و ھدی و رحمۃ لقوم یوقنون"[1]
ای ھو رحمۃ لانہ کان سبب ایمانھم[2]

اگر رحمت کی نسبت بنی آدم کی طرف ہو تو رقت قلب مراد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو احسان و تفضل مراد ہے ، چنانچہ لسان العرب میں ہے :

"و الرحمۃ فی بنی ادم عند العرب رقۃ القلب و عطفہ و رحمۃ اللہ عطفہ و احسانہ و رزقہ"[3]

عربوں کے نزدیک بنی آدم کی رحمت کے معنی دل کی نرمی اور مہربانی کے ہیں اور اللہ کی رحمت کے معنے اس کی مہربانی ، احسان اور رزق کے ہیں

محمد مرتضیٰ زبیدی اس کے معنے یوں لکھتے ہیں :

الرحمۃ من الادمیین رقۃ و تعطف و الرحمۃ من اللہ ادناہ کشف الضرر و کف الاذی[4] و علاہ الاختصاص برفع الحجاب[5] ۔ قیل ترک العقوبۃ بمن یستحق العقوبۃ[6] ۔

امام راغب المفردات میں نہایت وضاحت سے لکھتے ہیں :

و الرحمۃ رقۃ تقتضی الاحسان الی المرحوم و قد تستعمل تارۃ فی الرقۃ المجردۃ و تارۃ فی الاحسان المجرد عن الرقۃ نحو رحم اللہ فلاناً ۔ و اذا وصف بہ الباری فلیس یرادبہ الا الاحسان المجرد دون الرقۃ و علی ھذا روی ان الرحمۃ من اللہ انعام و افضال و من الادمیین رقۃ و تعطف[7] ۔

رحمت ، رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس پر رحمت کی جائے اس پر احسان کیا جائے اور کبھی تو یہ لفظ محض رقت کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی محض احسان کے معنے میں خواہ وہ رقت سے خالی ہو ۔

صاحب القاموس نے بھی رحمت کے معنے رقت ، مغفرت اور تعطف کے بیان کیے ہیں[8] ۔ بیضاوی میں مذکور ہے کہ رحمت ، غضب وغیرہ قسم کے امور جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو ان سے ان کی ابتدا جو انفعال و تاثر کا درجہ ہے مراد نہیں ہوتی بلکہ اس کی غایت مراد ہوتی ہے[9] ۔

شاہ ولی اللہ مرحوم حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں[10] ۔

و اعلم ان الحق تعالی اجل من ان یقاس بمعقول او محسوس اویحل فیہ صفات کحلول الاعراض فی محالھا او تعالجہ العقول العامیۃ او تتناولہ الالفاظ العرفیۃ ۔ ولابد من تعریفہ الی الناس لیکملوا کمالھم الممکن لھم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنی وجود غایاتھا لا بمعنی وجود مبادیھا فمعنی الرحمۃ افاضۃ النعم

لا انعطاف القلب"۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ذاتِ حق اس سے بہت بلند ہے کہ اسے کسی عقلی یا حسی شے پر قیاس کیا جائے یا اس میں صفات اس طرح حلول کر سکیں جس طرح اعراض اپنے محل میں حلول کرتے ہیں۔ یا عام عقول اس تک پہنچ سکیں یا الفاظ عرفیہ اس کا پورا بیان کر سکیں لیکن لوگوں کو اس سے واقف کرنا بھی ضروری ہے تا کہ وہ اس کمال کو پہنچ سکیں جو ان کے لیے ممکن ہے۔ پس لازم ہوا کہ صفات کو وجود غایات کے معنوں میں استعمال کیا جائے نہ کہ ان کی ابتدائی حالت میں، پس رحمت کے معنے ہیں نعمتوں کا فیضان نہ دل کا رجوع و رقت۔

ان تصریحات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے مراد اللہ کی بخشش، احسان اور انعام ہے جو وہ مخلوقات کے لیے روا رکھتا ہے اور جب یہ انسان کی طرف مضاف ہو تو رحمت سے قلب کی وہ رقت و نرمی مراد ہے جس کی بنا پر ایک انسان دوسرے انسان کے لیے شفقت کا ارادہ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے قلبی احساس کے اندر کسی دوسرے شخص کی مظلومیت اور بے حسی دیکھ کر ارتعاش پیدا نہیں ہوتا اور وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی ضرورت مند کی دستگیری کے لیے آگے نہیں بڑھتا اس وقت تک رحمت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک شخص کی وہ خدمت جس کے پیچھے کسی دوسرے بھائی کے لیے گہری محبت، اخوت اور اخلاص کا جذبہ کام نہ کر رہا ہو رحمت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلام کے نزدیک معاونت اور دستگیری کی تحریک کسی شخص کے جذبۂ ترحم سے ہوتی ہے نہ کہ آقائے نعمت کے متکبرانہ احساس کے ساتھ۔ ایک بھائی جذبات اخوت و مودت کے ساتھ دوسرے بھائی کے دکھ درد میں شریک ہونے کی آرزو لے کر جب اس کی خدمت کے لیے آگے بڑھتا ہے تو اسے ممنون کرنا، اس پر احسان جتلانا یا اپنے لئے اس کے عوض معاشرے میں عزت کا مقام پیدا کرنا اس کا مقصود نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف ایک بلیغ اشارہ فرمایا ہے مالی معاونت دراصل

رحمت کا ہی ثمر ہے۔

یا یھا الذین امنوا لاتبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ و الیوم الاخر[11]۔

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔

اسلام واحد دین ہے جو اپنے ماننے والوں میں اللہ کا جو تصور قائم کرنا چاہتا ہے اس کی سب سے نمایاں صفت رحمت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی رحمت کا ظہور ہے۔

فانظر الی اثر رحمۃ اللہ کیف یحی الارض بعد موتھا ان ذلک لمحی الموتی و ھو علی کل شیء قدیر[12]۔

ذرا تم رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد کس طرح شاداب کرتا ہے بے شک وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

و من رحمتہ جعل لکم الیل و النھار لتسکنوا فیہ و لتبتغوا من فضلہ و لعلکم تشکرون[13]۔

یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو شاید کہ تم شکرگزار ہو۔

گویا کائنات کا یہ اعتدال و تناسب، زندگی کا یہ حسن و لطافت سب رحمت الٰہی کے مختلف مظاہر ہیں۔ محمد بن عبدالاعلی سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

ان الله خلق السموات والارض، ثم خلق مئة رحمة۔ او جعل مئة رحمة۔ قبل ان یخلق الخلق۔ ثم خلق الخلق، فوضع بینهم رحمة واحده، و امسک عنده تسعا و تسعین رحمة۔ قال: فیها یة راحمون، و بها یتباذلون، و بها یتعاطفون وبها یتزاورون۔ و بها تحن الناقة، و بها تثوج[14] البقرة، و بها تیعره[15] الشاة، و بها تتابع الطیر، و بها تتابع الحیتان فی البحر[16]۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس مفہوم کو اپنے شعر میں بیان کر دیا ہے۔

ہوئی جنبش عیاں، ذروں نے لطف خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے
خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی داغ پائے لالہ زاروں نے[17]

قرآن کہتا ہے کہ رحمت ان تمام چیزوں سے افضل ہے جنہیں انسان چُن چُن کر اکٹھا کرتا ہے۔ لمغفرة من الله و رحمة خیر مما یجمعون[18]۔ موجودات میں کوئی چیز بھی تو نہیں جس کو اللہ کی رحمت گھیرے میں نہ لئے ہو "رحمتی وسعت کل شیء"[19]۔ اللہ تعالٰی نے رحمت اپنے نفس پر لازم قرار دے دی ہے کتب علی نفسه الرحمه[20] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالٰی نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو لوحِ محفوظ پر لکھا میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی "ان رحمتی سبقت غضبی[21]۔

قاضی ثناء اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی دنیوی رحمت دنیوی نعمتوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسے جسمانی صحت، حسن، مال، عیش و عشرت اس میں مسلم اور کافر دونوں شریک ہیں اس کی یہ رحمت کسی منکر کو بھی محروم نہیں رکھتی لیکن اخروی نعمت صرف اس کے بندوں کے لئے مخصوص ہے کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی رحمت اس دنیا میں تو ہر چیز کو عام ہے جس کو بھی وجود کی نعمت ملی ہے اللہ ہی کے فضل سے ملی ہے - جس کو رزق پہنچ رہا ہے اللہ ہی کے خوان کرم سے پہنچ رہا ہے - لیکن وہ رحمت جو آخرت سے متعلق ہے وہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہوگی جو اس دنیا کی زندگی میں اللہ سے ڈرتے ہیں''[۲۲] -

علامہ الوسی رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''شان الرحمۃ واسعۃ تبلغ کل شیء ما من مسلم ولا کافر ولا مطیع ولا عاص الا وھو متقلب فی الدنیا بنعمتی''[۲۳] -

علامہ سید رشید رضا رحمت الٰہی کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

رحمتی فقد وسعت کل شیء فی العالمین، فھی من صفاتی القدیمۃ الازلیہ نام بھا امر العالم منذ خلقہ ، و العذاب لیس من صفاتی بل من افعالی المرتبۃ علی صفۃ العدل و ھذہ الرحمۃ ھی العامۃ المبذولۃ لکل مخلوق ولولاھا لھلک کل کافر عاص[۲۴] -

قرآن مجید نے ربوبیت اور رحمت کا اکٹھا ذکر بہت مقامات پر کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے ربوبیت و رحمت کی مناسبت و ربط کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم لکھتے ہیں :

''یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے پانی جیسا جوہر حیات پیدا کر دیا لیکن یہ اس کی ربوبیت ہے جو پانی کو ایک ایک بوند کر کے ٹپکاتی ہے - زمین کے ایک ایک گوشے تک پہنچاتی ہے ایک خاص مقدار اور حالت میں تقسیم کرتی ہے ایک خاص موسم اور محل میں برساتی ہے اور پھر زمین کے ایک ایک تشنہ ذرے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیراب کر دیتی ہے''[۲۵] -

اسلام نے جہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحمت کی صفت کو نمایاں جگہ دی ہے وہاں اس نے آخرت کی زندگی پر بھی رحمت سے استدلال کیا ہے ۔ اگر اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اس خوبی و کمال کے ساتھ ظاہر ہو تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اس کی رحمت کا فیضان ختم ہو جائے ۔

فاما الذین امنوا باللہ و اعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ و فضل[۲۶] ۔

اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے اور اس کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے دامن میں لے لے گا ۔

قرآن مجید نے انبیاء کی بعثت اور وحی کو بھی اللہ کی رحمت کا فیضان قرار دیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان کی دنیوی ہدایت کا تو پورا پورا انتظام کیا جاتا ہے لیکن اس کی معنوی اور روحانی ہدایت کے لئے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا ۔

و من قبلہ کتاب موسی اماماً و رحمتہ[۲۷] ۔

اور پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کے طور پر آئی ہوئی بھی تھی ۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :

ھذا بصائر من ربکم و ھدی و رحمۃ لقوم یوقنون[۲۸] ۔

یہ (قرآن) سوجھ کی باتیں ہیں ، تمہارے رب کی طرف سے اور ایماندار لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

و نزلنا الیک الکتاب تبیاناً لکل شیء و ھدی و رحمۃ و بشری للمسلمین[۲۹] ۔

اور اے پیغمبرؐ ! ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔

خدا کی ہستی کا تصور اس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا۔ انسان ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہے اور پھر یہی تصور کسی قوم کی تمدنی استعداد کو معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کانٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں : ''ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار اس کا تصور الٰہی ہے۔ جس درجہ یہ تصور شائستہ اور بلند ہوگا اتنی ہی اس جماعت اور اس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ہوگی۔ ہیگل کے حوالے سے مولانا مزید لکھتے ہیں '' تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس نے دینی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا[۳۰]۔

قدیم دور کا انسان چونکہ یہ خیال کرتا تھا کہ انسان مادہ کی اندھی بہری قوتوں کے ہاتھ میں بے بس کھلونا ہے اس لئے وہ خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا تھا چنانچہ قدیم سے قدیم تصور جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ سر تا سر خوف و دہشت کا تصور ہے۔ رحم ، محبت اور جمال کا اس میں کوئی عنصر نظر نہیں آتا اس لئے السان خدا کی پرستش خدا کے قہر سے بچنے کے لئے کرتا تھا۔ خدا سے محبت کرنے کے لئے نہیں۔ اس وقت انسان نے اپنی عقل سے فطرت کے بگاڑ کو دیکھا لیکن وہ اس کی رحمت کو نہ دیکھ سکا۔ اس نے بجلی کی کڑک اور گرج کو تو دیکھا لیکن خدا کی رحمت کا تصور نہ کر سکا جو بارش کے قطرے کی شکل میں زمین کے لئے پیغام حیات لاتی ہے۔

مولانا آزاد مزید لکھتے ہیں : ''آثار قدیمہ سے اس حقیقت کے اثبات میں مدد ملتی ہے کہ انسان نے اللہ کی جو صفات متعین کی تھی ان سب کا تعلق قہر و غضب سے تھا چنانچہ مصریوں کا قدیم معبود ہورس تھا جو ہلاکت اور بربادی کی طاقت تھی۔ یونان کا علم الاصنام اپنی لطافت تخیل اور بلندی نوعیت کے اعتبار سے تمام دنیا کے

اصنامی تخیلات پر فوقیت رکھتا تھا لیکن اس کے ہاں بھی غضب و قہر کے دیوتاؤں کے تصورات باقی دیوتاؤں سے زیادہ قدیم تھے ۔ بابل جو تصور الٰہی کے اس عہد کا سب سے بڑا مرکز تھا ۔ وہ مظاہر فطرت کی پرستش کے سلسلے میں اگرچہ کواکب پرستی کا عہد تھا لیکن یہاں بھی پرستش کی تمام ابتدائی صورتیں قہر و غضب کی مظہر تھیں[31] ۔''

انسانی تمدن نے جب ترقی کی اور حکمرانی کا جاہ و جلال قائم ہوا تو انسان نے خدا کے تصور میں ایک طرح کا بادشاہی جاہ و جلال شامل کر لیا اور آہستہ آہستہ اس میں دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کر گیا لیکن قہر و غضب کی قوت کا تصور بدستور موجود رہا ۔

مسیحیت میں ہمیں اگرچہ خدا کی ذات میں محبت کا تصور ملتا ہے چنانچہ پہاڑی کا وعظ جس پر مسیحی اخلاق کی بنیاد قائم ہے اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ ارشادات موجود ہیں :

> ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو تمہیں ذلیل کریں اور تمہیں ستائیں ان کے لئے دعا مانگو''[32]۔

مسیحیت کی اس تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے[33] کہ کسی حال میں بھی ظلم کا مقابلہ قوت سے نہ کرنا چاہیے بلکہ شریروں اور مفسدوں کے سامنے اپنے حقوق سے خود بخود دست بردار ہو جانا چاہیے ۔ لیکن یہ تصور حیات آفرین تصور نہیں چنانچہ انفعال کی یہ تعلیم جب عملی زندگی کا ساتھ نہ دے سکی تو عیسائیت کو رہبانیت میں پناہ لینا پڑی اور مذہب کی اس تعلیم کو چرچ تک محدود کر دینا پڑا ۔ آج اگر حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ محبت کا یہ تصور عملی زندگی کا ساتھ نہیں

دے سکا اور ان کی تعلیمات کو ماننے والے آج انسانیت کی تباہی کے لئے ایسے ایسے ہتھیاروں کے ڈھیر لگا رہے ہیں جو چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھے ۔

محبت و رحمت میں ایک لطیف فرق ہے ۔ رحمت محض فیضان بلاعوض اور احسان ہے ۔ اور محبت میں قابلیت عمل کا لحاظ ہوتا ہے مثلاً "و اللہ یحب المحسنین[۳۴] اور فان اللہ یحب المتقین[۳۵] میں احسان اور تقویٰ وغیرہ وصاف جو قرآن مجید میں مذکور ہیں سب محبت الٰہی کے محل ہیں چنانچہ علمائے اصول کہتے ہیں تعلیق الحکم بالوصف یدل علی علیۃ ذالک الوصف لذلک الحکم" یعنی جب کسی حکم کو کسی وصف کے متعلق کیا جائے تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے ۔

رحمت اور محبت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ رابطہ محبت ذات حق اور بندے ہر دو میں دونوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے اور واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے یعنی خدا بھی نیکوں کو محبت کرتا ہے اور نیک لوگ بھی خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں چنانچہ فرمایا یحبہم و یحبونہ لیکن رحمت اکیلے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف منسوب ہو کہ ذات حق پر اس کا اثر پڑتا ہو یعنی یہ کہ بندہ خدا تعالیٰ پر رحمت کرے ۔ ان دونوں نکتوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رحمت اصل اور منبع ہے اور محبت اس کی فرع ۔

جین مت نے بھی رحمت کے روپ میں انفعالیت کی تعلیم پیش کی ہے چنانچہ مہا ویر سوامی کے بارے میں روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ مراقبے میں تھے کہ کتوں نے مردہ سمجھ کر انہیں زخمی کر دیا لیکن انہوں نے اپنے دل میں نفرت کا اظہار تک نہ کیا ۔

اسلام رحمت کے اس تصور کو تسلیم نہیں کرتا کہ زندگی کے ہر معاملے میں خواہ وہ کتنا ہی سنگین اور انسانیت کے لئے کتنا ہی تباہ کن اور اخلاق و شرافت کے لئے کتنا ہی نقصان دہ ہو بے جا نرمی اور ملائمت کا رویہ اختیار کیا جائے ۔

اسلام میں رحمت کا تصور یہ ہے کہ دنیا میں خیر اور بھلائی کو فروغ حاصل ہو اور جبر و استبداد اپنی ہر شکل میں مٹ جائے وہ اس مقصد کے حصول کے لئے تلقین و ترغیب کو بنیادی اہمیت دیتا ہے لیکن اس بات کو بھی رحمت میں شامل سمجھتا ہے کہ اگر انسانیت کے اندر کسی فاسد مادے کا اخراج اپریشن کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہو تو اسے جرأت، دانشمندی، حکمت اور دانائی کے ساتھ سرانجام دیا جائے۔ جس طرح سرجن کا فعل جراحت بظاہر کتنا ہی ظالمانہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ بڑا رحیمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے پیچھے بجز مریض کی خیرخواہی اور بھلائی کے اور کوئی جذبہ کام نہیں کرتا و لکم فی القصاص حیوٰۃ[۳۴]۔ بالکل اسی طرح بعض اعمال جو ہمیں بظاہر تقاضائے رحمت کے خلاف نظر آتے ہیں دراصل وہ انتہائی رحیمانہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کی غایت اولیٰ صرف بھلائی ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ رحمت کے اس تصور کی عملی تفسیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انسانیت راہ حق سے غافل گمراہی کی نیند سو رہی تھی اس لئے یہ ابرِ رحمت پہلے گرجا یا یھا المدثر قم فانذر"[۳۵] تاکہ غفلت کی نیند سونے والے بیدار ہو جائیں لیکن یہ وصف وقتی تھا چنانچہ آپ کی شان رحیمی رحمتِ باراں کی طرح ہر پھر فرد پر برسی اور قرآن نے پوری نوع بشری کے لئے آپ کو رحمت قرار دیا۔

و ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین[۳۶]

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے سراپا رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان رحیمی و کریمی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم[۳۷]

بے شک تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں جو خود تم ہی میں سے ہیں۔ تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق ہے۔ تمہاری بھلائی کے وہ انتہائی آرزو مند ہیں اور اہلِ ایمان کے لئے وہ غایت درجہ شفیق اور رحیم ہیں۔

لیکن جب رحمتِ الٰہی نے یہ محسوس کیا کہ نوع بشری میں پھیلی ہوئی برائیوں کو مٹانے کے لئے ترغیب اور ترھیب اور مروت و گہری ہمدردی کی پوری قوت صرف ہو چکی ہے تو پھر حضور سراپا رحمت کو حکم ہوا۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا[۳۸]۔

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

لیکن یہ حکم کسی جذبۂ انتقام کے ساتھ نہیں بلکہ سراسر جذبۂ رحم کے ساتھ سر انجام دینے کا حکم دیا اور جنگ جو ہمیشہ انسانیت کے لئے ایک درد انگیز مصیبت خیال کی گئی ہے، اور انتقام، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا وحشیانہ منظر ہمیشہ اس میں نمایاں رہا ہے۔ رحمت الٰہی نے اسے انسانیت کا ایسا اپریشن بنا دیا جس نے انسانیت کو فتنہ و فساد سے محفوظ کر دیا۔

ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین[۳۹]۔

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ دفع

فساد کا یہ انتظام کرتا رہتا ہے) -

اس اپریشن کو حرب[۲۹] کی بجائے جہاد کا نام دیا جس سے مراد وہ انسانی کوشش ہے جو ظالموں اور مفسدوں کے مقابلے میں اپنی مدافعت اور کمزوروں، بے بسوں اور مظلوموں کی اعانت کے لئے کی جائے - اور پھر اسے اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا جب تک خدا کے بے گناہ بندے جبر و ظلم سے محفوظ نہ ہو جائیں چنانچہ فرمایا قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ[۳۰] اُن سے لڑتے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے -

ظلم و طغیان کو مٹا کر عدل و انصاف قائم کرنے کی اس کوشش کی فضیلت پر قرآن کے صفحے بھرے پڑے ہیں ایک مقام پر اس مبارک کوشش میں حصہ لینے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا -

> ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص[۳۱] -
>
> اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں -

پھر اس کوشش کی طرف یہ کہہ کر رغبت نہیں دلائی کہ اس کے عوض تمہیں حکومت اور مال و دولت ملے گا بلکہ فرمایا اس کے عوض تمہیں صرف اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور تمہیں حیات جاوداں کا تاج پہنایا جائے گا -

> لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون[۳۲]

اسلام نے اس کوشش کے مقصد اور طریق حصول مقصد دونوں کو پاکیزہ اور اشرف و اعلیٰ بنا دیا - اگر جنگ کا مقصد کمزور قوتوں کی آزادی چھیننا، دوسرے ملکوں کی دولت لوٹنا اور بندگان خدا کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنا ہو تو ایسی جنگ کتنے ہی نظم و ضبط کے ساتھ لڑی جائے اور اس میں زخمیوں

اور جنگ میں حصہ نہ لینے والے شہریوں کی حرمت اور عزت کا کتنا ہی لحاظ کیوں نہ رکھا جائے وہ اصلیت کے اعتبار سے ایک ظالمانہ جنگ ہی رہے گی جس کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور رحمت سے دور کا بھی تعلق نہیں ۔

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک

تاریخ اُمم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں ! نشہ قوت ہے خطرناک

اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

اقبال[۲۳]

حوالہ جات

۱- القرآن ۴۵ : ۲۰ ۔

۲- ابن منظور : لسان العرب ، جلد ۱۲ : ۲۳۰ ، مطبوعہ دار صادر بیروت

۳- ایضاً

۴- کما جاء فی القرآن : فاستجبنالہ فکشفنا ما بہ من ضر و آتینہ اھلہ و مثلھم رحمۃ من عندنا

۵- کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : انکم سترون ربکم عیاناً (بخاری کتاب التوحید ، حدیث نمبر ۱۱۰۵ ۔

۶- محمد مرتضی زبیدی : تاج العروس ، جلد ۸ : ۳۰۶ دار مکتبہ الحیات بیروت

۷- امام راغب : المفردات : ۱۹۰ ۔ مصطفی بابی حلبی ۔ مصر

۸- الطاہر احمد : ترتیب القاموس المحیط جلد ۲ : ۳۱۷ دارالکتب بیروت

۱۰- شاہ ولی اللہ ، حجۃ اللہ البالغہ ، جلد اول ۶۲ باب الایمان بصفات اللہ تعالی مطبوعہ مصر

۱۱- القرآن ۲ : ۲۶۴

۱۲- القرآن ۳۰ : ۵۰

۱۳- القرآن : ۲۸ : ۷۳

۱۴- ناج الثور ینشج اذا صاح

۱۵- بعرت الشاۃ تیعر : صاحت

۱۶- امام احمد : مسند ، حدیث نمبر ۸۱۱۲

۱۷- علامہ اقبال : بانگِ درا ، محبت : ۱۱ ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز

۱۸- القرآن ۳ : ۱۰۷

۱۹- القرآن ۷ : ۱۵۵

۲۰- القرآن ۶ : ۱۲

۲۱ قاضی ثناء اللہ : تفسیر مظہری : جلد اول

۲۲- امین احسن اصلاحی : تدبر قرآن

۲۳- علامہ الوسی : روح المعانی جلد ۳ : ۱۳۵

۲۴- علامہ سید رشید رضا : تفسیر المنار ، جلد ۹ : ۲۱۴ مطبوعہ دارالمنار ۱۲۶۷

۲۵- ابوالکلام احمد : ترجمان القرآن ، جلد ۱ : ۳۷

۲۶- القرآن ۴ : ۱۴۷

۲۷- القرآن ۱۱ : ۱۷

۲۸- القرآن ۳۵ : ۲۰

۲۹- القرآن ۱۶ : ۸۹

۳۰- ابوالکلام احمد ، الہلال : اگست ۱۹۲۶

۳۱- ابوالکلام احمد ترجمان القرآن جلد اول

۳۲- متی : ۳۵ - ۴۴

۳۳- انفعالیت کی یہ تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم نہیں - قرآن مجید کہتا ہے و رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم - یہ تو عیسائیوں کی اختراع تھی جس کو انہوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے - حضرت عیسیٰ تو وہی اسلام لے کر آئے تھے جو ان سے پہلے سارے پیغمبر لے کر آئے تھے لہذا

مسیحیت سے مراد یہاں وہ دین ہے جو مسیح علیہ السلام کے نام پر بنایا گیا۔ وہ تعلیمات مراد نہیں جو حضرت عیسیٰ لائے تھے ۔

۳۴- القرآن ۳ : ۱۳۴

۳۵- القرآن ۳ : ۷٦

۳٦- القرآن ۲۱ : ۱۰۷

۳۷- القرآن ۹ : ۱۲۸

۳۸- القرآن ۴ : ۷۵

۳۹- القرآن ۲ : ۲۵۱

۴۰- حرب کے لغوی معنی غصے کے ہیں ۔

۴۰- القرآن ۲ : ۱۹۳

۴۱- القرآن : ۳ : ۱۵۴

۴۲- القرآن : ۲ : ۱۵۴